اسلامی اقتصادیات سے متعلق چند اصولی باتیں

(۲)

محمد طاسین

عن علیؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی خطبۃ طوبیٰ لمن انفق الفضل من مالہ و امسک الفضل من قولہ — حلیۃ الاولیاء

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خطبے میں فرمایا، خوش بختی ہے اس کے لیے جس نے اپنا فاضل مال خرچ کیا اور جس نے فضول باتوں سے اپنے آپ کو روکا۔

عن ابی سعید الخدری قال بینما نحن مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر اذ جاء رجل علی ناقۃ لہ فجعل یصرفھا یمینا و شمالا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان عندہ فضل ظھر فلیعد بہ علی من لا ظھر لہ و من کان عندہ فضل زاد فلیعد بہ علی من لا زاد لہ حتی ظننا انہ لا حق لاحد فی الفضل۔

(ص ۲۳ - ج ۱۲ صحیح المسلم)

حضرت ابوسعید خدریؓ نے روایت کیا کہ ایک سفر میں جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ اچانک ایک شخص آیا جو اونٹنی پر سوار تھا اور اپنی لاغر اونٹنی کو دائیں بائیں گھمانے لگا۔ اس کی اس قابلِ رحم حالت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس فاضل سواری ہو اس پر لوٹا دے جس کے پاس کوئی سواری نہیں اور جس کے پاس فاضل خوراک ہو اس پر لوٹا دے جس کے پاس کوئی خوراک نہ ہو۔ یہاں تک کہ آپ کے ارشاد سے ہم یہ سمجھے کہ فاضل مال کسی کا

حق نہیں، یعنی گویا ہم اس کے مالک ہی نہیں وہ
دوسرے ضرورت مندوں کا حق ہے۔

اس قسم کی احادیث نبویہ میں یہ جو تعلیم ہے کہ ضرورت سے زیادہ مال راہ خدا اور مصارف خیر میں خرچ کر دیا جائے یہ تعلیم قانونی اور وجوبی نہیں بلکہ اخلاقی اور استحبابی ہے اس کا ثبوت یہ کہ عہد رسالت میں بہت سے صحابہ کرام کے پاس فاضل مال موجود تھا جو زندگی میں ان کے پاس رہا اور مرنے کے بعد ورثا میں تقسیم ہوا۔ اور اگر فاضل مال رکھنا جرم اور پورے کا پورا خرچ کر دینا واجب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاضل مال رکھنے والوں سے ناراض و خفا ہوتے اور ان پر گرفت فرماتے لیکن کسی حدیث سے اس کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس متعدد احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ایسے صحابہ کرام سے بھی خوش و راضی رہے جنہوں نے اپنے فاضل مال کا کچھ حصہ خرچ کیا اور کچھ اپنے پاس رکھا جو ان کے مرنے کے بعد ان کے ورثا میں تقسیم ہوا بلکہ ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت سعدؓ نے جب اپنے پورے اور پھر اپنے آدھے مال کی وصیت کرنی چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس سے روکا اور فرمایا کہ تمہارا اپنے ورثاء کو ایسی حالت میں چھوڑنا کہ وہ غنی اور خوشحال ہوں تمہارے لیے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ محتاج ہوں اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اس سے فاضل مال رکھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

مذکورہ احادیث کے علاوہ اس پہلی قسم کی اقتصادی تعلیمات کی مثال وہ احادیث نبویہ بھی ہیں جن میں انفاق عام اور صدقات نافلہ کی تعلیم اور ترغیب ہے ایسی احادیث کتب حدیث میں بڑی کثرت سے ہیں۔

دوسری قسم کی قانونی اقتصادی تعلیمات کی مثال قرآن حکیم میں ایک تو وہ آیات ہیں جن میں فرض زکوٰۃ کا بیان ہے دوسری وہ آیات ہیں جن میں نفقات واجبہ کا ذکر ہے جو قرابت کی وجہ سے قرابت داروں پر عائد ہوتے ہیں۔ جیسے اولاد کا نفقہ والدین پر اور والدین کا اولاد پر، یا جیسے بیوی کا مہر اور نفقہ شوہر پر۔ تیسری وہ آیات ہیں جن میں وصیت اور وراثت کے احکام ہیں۔ چوتھی وہ آیات ہیں جن میں تجارت، بیع و شراء اور اجرت کا بیان ہے پانچویں وہ آیات ہیں جن کے اندر اکل بالباطل، قمار، ربٰو، سرقہ، خیانت اور رشوت وغیرہ کی ممانعت ہے۔

اسی طرح ایک دوسری قسم کی اقتصادی تعلیمات کی مثال وہ احادیث ہیں جو مذکورہ امور سے متعلق کتب حدیث میں پائی جاتی ہیں یعنی زکوٰۃ، مہر نفقہ، وصیت و وراثت، تجارت، بیع و شراء، اجرت، ربٰو،

قمار، سرقہ، خیانت، رشوت، بخس و تطفیف وغیرہ سے متعلق۔

تیسری قسم کی اقتصادی تعلیمات کی اصل قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن سے یہ اصولی ضابطہ مفہوم ہوتا ہے کہ جب دو برائیوں میں سے ایک برائی کا اختیار کرنا ناگزیر ہو تو بڑی برائی سے بچنے کے لیے چھوٹی برائی کو وقتی طور پر اختیار کر لیا جائے بالفاظ دیگر جب مخالف حالات کی وجہ سے کامل خیر و صلاح ممکن نہ ہو تو وقتی طور پر ناقص خیر و صلاح کو اختیار کر لیا جائے اور کامل کے لیے کوشش جاری رکھی جائے۔

مثلاً ایسی صورت ہو کہ ہلاکت سے بچنے کے لیے انسان کو کچھ کھانے کی ضرورت ہو اور اس کے پاس کھانے کی کوئی حلال چیز موجود نہ ہو بلکہ صرف حرام چیز موجود ہو جس کا کھانا مضر اور باعثِ گناہ ہے تو ہلاکت جو بڑی برائی ہے اس سے بچنے کے لیے حرام چیز کو استعمال کر سکتا ہے جو نسبتہً چھوٹی برائی ہے۔ ایسا انسان چونکہ مضطر اور مجبور ہوتا ہے لہٰذا حرام چیز کے استعمال پر اسے گناہ نہیں ہوتا۔ بشرطیکہ وہ حرام کو حرام سمجھتے ہوئے بادل نخواستہ اس کو استعمال کرے اور صرف اتنی مقدار میں استعمال کرے جتنی مقدار سے اس کی ضرورت پوری ہو سکتی ہو اس سے زیادہ استعمال نہ کرے۔ اس قسم کی قرآنی آیات میں سے ایک آیت یہ ہے۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ البقرہ	سوائے اس کے نہیں کہ اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے تم پر مُردار، دم مسفوح، اور جو جانور، غیر اللہ کے نام سے منسوب یا ذبح کیا گیا ہو پس جو شخص مضطر ہو نہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ حد ضرورت سے آگے بڑھنے والا، تو مذکورہ چیزیں کھا لینے پر اسے کوئی گناہ نہیں بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس قرآنی آیت میں اگرچہ بظاہر چند مخصوص اشیاء کی تحریم کا اعلان اور اس امر کی وضاحت ہے کہ ایک مسلمان کے لیے ان اشیاء کا استعمال ممنوع اور موجب گناہ ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ مضطر و مجبور نہ ہو تو وہ مذکورہ دو پابندیوں کے ساتھ استعمال کر لے تو وہ گنہگار نہیں ہوتا۔ یعنی اضطراب کی حالت میں وہ ان حرام چیزوں کو استعمال کر سکتا ہے اور اسے استعمال کرنا چاہیئے تاکہ وہ ہلاکت سے بچ جائے لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس آیت میں یہ اصولی تصور بھی بیان ہوا ہے کہ

جب کسی بڑی برائی سے بچنے کے لیے چھوٹی برائی کا اختیار کرنا ناگزیر اور ضروری ہو تو چھوٹی برائی کو اختیار کر لینا جائز اور منشاء الٰہی کے مطابق ہے اور چونکہ عبوری احکام کا مقصد بھی بڑی برائی سے بچنے کے لیے چھوٹی برائی کو وقتی طور پر اختیار کر لینا ہوتا ہے لہٰذا اس قسم کی قرآنی آیات سے ان کا ثبوت اور جواز پیدا ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں ان تیسری قسم کی اقتصادی تعلیمات کے لیے بطور جزوی مثال قرآن حکیم کی وہ آیت بھی پیش کی جا سکتی ہے جس میں ربٰو کی اَضۡعَافًا مُّضَاعَفَةً والی شکل کی ممانعت ہے مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ تحریم ربٰو کے سلسلے میں پہلے وہ آیت نازل ہوئی جس میں ربٰو کی اَضۡعَافًا مُّضَاعَفَةً والی شکل سے منع کیا گیا جو ربٰو کی مروجہ شکلوں میں سب سے زیادہ ظالمانہ شکل تھی پھر کچھ عرصہ بعد وہ آیات نازل ہوئیں جن میں مطلق ربا اور اس کی ہر شکل کو حرام اور ممنوع قرار دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے آخری خطبہ میں ان الفاظ سے اس کا اعلان فرمایا۔

الا ان کل ربا من ربا الجاهلية فهو موضوع فلكم رؤوس اموالكم لا تظلمون ولا تظلمون۔	آگاہ ہو جاؤ کہ جاہلیت کے رباؤں میں سے ہر ربا باطل ہے اور تمہارے لیے فقط تمہارے اصل اموال ہیں تاکہ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

بہر حال یہ واقعہ ہے کہ تحریم ربٰو کا قانونی اعلان ۱۰ھ میں ہوا۔ تحریم ربٰو کی آیات کو مفسرین نے قرآن حکیم کی آخری آیات میں شمار کیا ہے۔ اس سے پہلے مسلمان سودی لین دین کرتے رہے اور ان کو اس سے منع نہیں کیا گیا کیونکہ اگر اس سے پہلے منع کیا جاتا تو اس سے مسلمان جماعت اور اس کے نصب العین کو شدید نقصان پہنچتا لہٰذا بڑی برائی سے بچنے کے لیے وقتی طور پر چھوٹی برائی کو برداشت کیا گیا۔

مزارعت اور کراء الارض کے معاملہ میں بھی ایسا ہی ہوا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو وہاں اس معاملے کا مختلف شکلوں میں عام رواج تھا مسلمان بھی ایک عرصہ تک اس پر عمل پیرا رہے یہاں تک کہ آخر میں جب تحریم ربٰو کا اعلان ہوا تو اس وقت اس معاملہ کی بھی ہر شکل کو ممنوع ٹھہرا دیا گیا اس سے پہلے اس کی بعض ایسی شکلوں سے روکا گیا جو جہالت کی وجہ سے موجب نزاع بنتی تھیں۔ غرضیکہ مزارعت و کراء الارض کے جواز و عدم جواز

کی احادیث بھی اس تیسری قسم کی اقتصادی تعلیمات کی مثال بن سکتی ہیں۔

اسی طرح ان عبوری اقتصادی تعلیمات کی مثال وہ حدیث نبوی بھی ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی غزوہ میں جب سامانِ خوراک کی کمی محسوس کی گئی اور دیکھا گیا کہ بعض مجاہدین کے پاس کچھ سامانِ خوراک ہے اور بعض کے پاس کچھ بھی نہیں اور پریشان ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کرائی کہ جس کے پاس جتنا بھی سامانِ خوراک ہے اسے لاکر ایک جگہ جمع کر دیا جائے چنانچہ جب جمع ہوا تو آپ نے برکت کی دُعا فرمانے کے بعد فرمایا جس کو جتنا ضرورت ہے اس میں سے اٹھالے اس طرح وہ سب میں حسبِ ضرورت تقسیم ہوگیا اور کوئی محروم نہ رہا۔ امام بخاری نے یہ حدیث کتاب الشرکۃ میں بیان کرنے کے بعد ایک اثر ذکر کیا جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی غزوہ میں حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب آپ نے بعض مجاہدین کے پاس خوراک کی قلت محسوس کی تو آپ نے سب سامانِ خوراک ایک جگہ جمع کرکے سب میں برابر برابر تقسیم کردیا۔ اس اثر کو ذکر کرنے سے امام بخاری کا مقصد یہ بتلانا ہے کہ حدیث مذکور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جس طرزِ عمل کا بیان ہے وہ آپ کی ذات کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اُمت کے لیے ایک عام سنّت اور اُسوہ ہے کیونکہ اگر خاص ہوتا تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس پر عمل نہ کرتے اس کے بعد امام بخاری نے جو قولی حدیث بیان کی ہے اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ طرزِ عمل بہت پسند تھا اور آپ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو جب بھی اس قسم کی صورت حال پیش آئے انھیں ایسا ہی کرنا چاہیئے وہ حدیث یہ ہے۔

عن ابی موسیٰ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان الاشعریین اذا ارملوا فی الغزو، او قل طعام عیالھم بالمدینۃ جمعوا ما کان عندھم فی ثوب واحد ثم اقتسموہ بینھم فی اناء واحد بالسویۃ، فھم منی وانا منھم (کتاب الشرکۃ صحیح البخاری)

حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ قبیلہ اشعر کے لوگوں کا یہ معمول تھا کہ جب جنگ کی حالت میں خوراک کی کمی محسوس کرتے یا امن کی حالت میں مدینہ میں قحط وغیرہ کی وجہ سے کمی خوراک کا مسئلہ سامنے آتا تو ان کے پاس جو بھی سامانِ خوراک ہوتا ایک جگہ ایک کپڑے میں جمع کرتے پھر ایک پیمانے سے اپنے درمیان برابر برابر تقسیم کرلیتے پس وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

اور چونکہ ظاہر ہے کہ جنگ کی حالت عام طور پر ہنگامی حالت ہوا کرتی ہے لہذا اس قسم کی معاشی تعلیمات کا تعلق عام حالات سے نہیں بلکہ ہنگامی حالات سے ہے۔

میں سمجھتا ہوں اسلام کی اقتصادی تعلیمات کے متعلق علمائے کرام کے درمیان جو اختلاف ہے اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ان تین قسم کی اقتصادی تعلیمات کو نہ پوری طرح سمجھا گیا اور نہ اس فرق و اختلاف کو ملحوظ رکھا گیا جو ان تین قسم کی اقتصادی تعلیمات کے مابین پایا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی اقتصادی تعلیمات پر اکثر لکھنے والوں نے تینوں قسم کی تعلیمات کو آپس میں خلط ملط کر کے الجھا دیا۔ بعض نے پہلی قسم کی اقتصادی تعلیمات کو جو اخلاقی نوعیت کی تھیں اسلام کی اصل اقتصادی تعلیمات قرار دیا اور دوسری اور تیسری قسم کی تعلیمات سے صرفِ نظر کیا جبکہ بعض نے تیسری قسم کی اقتصادی تعلیمات کو جو ہنگامی اور عبوری نوعیت کی تھیں اسلام کی مستقل تعلیمات سمجھ کر اس طرح پیش کیا کہ گویا اسلام کی اصل اور حقیقی تعلیمات یہی ہیں اور پہلی اور دوسری تعلیمات کو دور از کار تاویلات کے ذریعے نظر انداز کر دیا۔ کسی نے صرف بعض مسائل کی حد تک دوسری قسم کی تعلیمات کو اسلام کی اصل اقتصادی تعلیمات بتلایا اور دوسرے مسائل میں ان کو ملحوظ نہ رکھا۔ کسی نے اس سلسلہ میں اپنی بحث کو جزوی مسائل تک محدود رکھا اور اصول سے تعرض نہ کیا اور کسی نے ادھورے طریقے سے بعض اصول کو بیان کیا اور بعض کو چھوڑ دیا۔ کسی نے اصول پر بحث تو کی لیکن ان مقاصد کی طرف توجہ نہ دی جن کے ساتھ ان اصول کا تعلق تھا۔ نتیجہ یہ کہ جس انداز سے یہ کام ہونا چاہیئے تھا وہ نہ ہو سکا یعنی ضرورت اس کی تھی کہ تینوں قسم کی تعلیمات پر الگ الگ بحث کی جاتی اور دوسری اور تیسری قسم کی تعلیمات پر بحث کے اندر ان اصول کا تعین کیا جاتا جن پر وہ تعلیمات مبنی تھیں اور پھر ان اصول کو متعین مقاصد کے تحت مرتب کر کے منظم شکل میں پیش کیا جاتا اور یہ بتلایا جاتا کہ ان اصول کے مطابق زراعت، صنعت اور تجارت وغیرہ کی عملی شکل کیا ہو سکتی ہے۔

اس مضمون میں مجھے جو آخری بات عرض کرنی ہے وہ یہی ہے کہ آج ہمیں اسلام کے اقتصادی نظام پر کس انداز اور کس طریقے سے کیا کام کرنے کی ضرورت ہے؟ سو اس بارے میں کافی غور و خوض کے بعد میری رائے یہ ہے کہ آج اسلام کے اقتصادی نظام سے متعلق دو الگ الگ کام کرنے کی ضرورت ہے ایک نظری اور دوسرا عملی۔ نظری کام سے میری مراد یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں جو قانونی نوعیت کی اقتصادی تعلیمات ہیں ان میں خوب غور و فکر کر کے ان کلی اصول کا پتہ چلایا اور تعین کیا جائے جن

پر وہ قانونی اقتصادی تعلیمات مبنی ہیں اور ان اصول کے تعین میں ان معاشی مقاصد کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے جن کی خاطر یہ اقتصادی تعلیمات تجویز کی گئیں اور جنہیں حاصل کرنا اور بروئے کار لانا ان تعلیمات سے مقصود و مطلوب ہے۔ اور وہ مطلوبہ معاشی مقاصد جیسا کہ اپنے علم و فہم کے مطابق میں سمجھ سکا ہوں اور پہلے کسی قدر تفصیل کے ساتھ عرض کر چکا ہوں، دو ہیں۔ ایک یہ کہ معاشرے کا کوئی فرد بنیادی معاشی ضروریات سے محروم نہ ہو یعنی ہر ہر فرد کو کسی نہ کسی شکل میں بقدر ضرورت سامانِ معاش ضرور میسر ہو اور دوم یہ کہ ہر فرد کے لیے معاشی ترقی یعنی ضرورت سے زیادہ سامانِ معاش حاصل کرنے کا موقع ہو، آگے اس کی مرضی کہ اس سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے، میں سمجھتا ہوں جو اقتصادی نظام معاشرے کے ہر ہر فرد کو یہ دو چیزیں دے سکتا ہو۔ وہی حقیقت میں ایک صحیح اور بہترین اقتصادی نظام ہو سکتا ہے۔

بہر حال اگر یہ درست ہے جو اسلام کے معاشی مقاصد کے متعلق عرض کیا گیا ہے تو پھر یہ ضروری ہے کہ اسلام کے عادلانہ اقتصادی اصول کے تعین میں ان دو معاشی مقاصد کو پوری طرح ملحوظ و مدنظر رکھا جائے یعنی ان کا ایسا مفہوم و مطلب متعین کیا جائے جو ان مقاصد سے مطابقت رکھتا اور جس پر عمل کرنے سے وہ مقاصد بروئے کار آ سکتے ہوں لیکن اس تعین میں اس چیز کو ہرگز نہ دیکھا جائے اور اس کا کوئی خیال نہ رکھا جائے کہ معاشرے کے موجودہ ذہنی اور خارجی حالات میں یہ اصول قابلِ عمل ہیں یا نہیں اور معاشرہ ان کو بخوشی قبول کر سکتا اور ان پر عمل پیرا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بلکہ صرف یہ دیکھا جائے کہ اگر یہ عمل میں آ جائیں تو ان سے معاشرے کے ہر ہر فرد کو مذکورہ بالا دو چیزیں میسر آ سکتی ہیں یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کام کو میں نے نظری کام سے تعبیر کیا ہے البتہ اس میں یہ واضح کرنا ضروری ہوگا کہ ان اصول کے مطابق تشکیل پانے والے اقتصادی نظام میں زراعت، صنعت اور تجارت وغیرہ کی کیا شکلیں ہوں گی کیونکہ ایک عام آدمی محض نظری اصول سے حقیقتِ حال کو نہیں سمجھ سکتا بلکہ اصول کی عملی تفصیلات سے سمجھ سکتا اور ان کی افادیت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔

چنانچہ جب وہ عادلانہ اقتصادی اصول متعین ہو جائیں تو پھر ان کو اس انداز سے مرتب اور پیش کیا جائے کہ ان کے مابین عقلی ربط و تعلق ہو نیز ان کا اسلامی نظامِ حیات کے دوسرے شعبوں اور مقصد سے پورا جوڑ اور تعلق ظاہر ہوتا ہو۔

اور پھر جیسا کہ میں نے عرض کیا عدلِ کامل پر مبنی اسلام کے یہ جو اقتصادی اصول و قوانین ہیں:

صرف ان کی بدولت ہم نظری طور پر اسلام کے اقتصادی نظام کی اشتراکی اور سرمایہ دارانہ اقتصادی نظاموں پر بہتری اور برتری ثابت کر سکتے ہیں۔ اور اپنے مذہبی اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اشتراکیت کی طرف جانے سے روک سکتے ہیں جو محض اس کے اقتصادی نظام کی وجہ سے اس کی طرف جا رہے ہیں۔ لہذا آج اشد ضروری ہے کہ اسلام کے ان اقتصادی اصول و قوانین کو عملی شکل میں مرتب کر کے سامنے لایا جائے جو اشتراکیت اور سرمایہ داری کے اصول و قوانین سے بہتر اور زیادہ نفع بخش ہیں۔

لیکن یہ بات ضرور یاد رہے کہ عدل و کمال پر مبنی اسلام کے یہ جو اقتصادی اصول و قوانین ہیں اس وقت تک پوری طرح عمل میں نہیں آ سکتے جب تک کہ ایک خاص طرح کا ذہنی اور خارجی ماحول تیار نہ ہو جائے خاص طرح کے ذہنی ماحول سے مراد وہ خاص طرح کے وسیع اور عالمگیر ذہنی احساسات و جذبات ہیں جو ایمانی عقائد سے وجود میں آتے اور اسلامی عبادات کے ذریعے قائم اور زندہ رہتے ہیں اور جو انسان کو ظلم و حق تلفی سے روکتے اور ہر انسان کے ساتھ عدل و انصاف کرنے پر ابھارتے اور آمادہ کرتے ہیں اور خاص طرح کے خارجی ماحول سے مراد ہے معاشرے کا سیاسی طور پر آزاد و خود مختار اور معاشی ضروریات کے لحاظ سے خود کفیل اور خود مکتفی ہونا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے سیاسی اور معاشی امور و معاملات طے کر سکے اور کسی غیر مسلم قوم کا اس پر سیاسی اور معاشی تسلط نہ ہو۔ نیز اس میں عزت و بڑائی کا معیار مال و دولت نہ ہو بلکہ نیکی اور تقویٰ ہو۔ لہذا اسلام سب سے پہلے مسلمانوں پر لازم ٹھہراتا ہے کہ وہ ایک طرف ایمانی عقائد کی تعلیم اور تبلیغ عام کریں تاکہ ذہنوں میں مطلوبہ اخلاقی احساسات پیدا ہوں اور پھر انہیں زندہ و بیدار رکھنے کے لیے عبادات یعنی صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم اور حج کی پابندی پر زور دیں اور اس ربط و تعلق کو اچھی طرح واضح کریں جو ایمانی عقائد، اسلامی اخلاق اور عبادات کے درمیان پایا جاتا ہے اور ان مقاصد کو نمایاں کریں جن کا ان کے ساتھ تعلق ہے۔

اور دوسری طرف وہ ایسے طور طریقے اختیار کریں جن سے ان کو سیاسی خود مختاری حاصل ہو سکتی ہو اور معاشی لحاظ سے وہ خود کفیل ہو سکتے اور اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکتے ہوں۔ نیز اپنے حکومتی نظام میں بیت المال کا ایسا ادارہ قائم کریں جو عطیہ دینا پائے اور محتاجوں کو معاشی سہارا دے سکتا ہو۔ تیسری طرف ایسا معاشرتی ماحول وجود میں لانے کی کوشش کریں جس میں عزت و بڑائی کا معیار مال و دولت نہ ہو بلکہ صرف ایثار اور تقویٰ ہو۔

اور جب تک یہ مطلوبہ ذہنی اور خارجی ماحول پوری طرح وجود میں نہ آجائے جو اسلام کے عادلانہ اقتصادی اصول کے عمل میں آنے کے لیے ضروری ہے اور جس کے وجود میں آنے کے لیے مسلسل اور انتھک سعی و کوشش اور طویل وقت چاہتا ہے اس وقت تک اس درمیانی وقفہ کے لیے اسلام، مسلمانوں پر لازم ٹھہراتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کی گاڑی چلائے رکھنے کے لیے عبوری لائحہ عمل بنائیں اور ان سے کام لیں، اور اس عبوری قسم کے اقتصادی لائحہ عمل کے بنانے میں تیسری قسم کی ہنگامی اور عبوری اقتصادی تعلیمات اور ان کی روح کو پوری طرح ملحوظ رکھیں یعنی ان کے بنانے میں دو چیزوں کو ملحوظ رکھیں۔ ایک یہ کہ وہ موجودہ حالات میں قابلِ عمل ہوں اور معاشرے کی اکثریت کا ذہن انھیں بخوشی قبول کر سکتا اور ان پر عمل پیرا ہو سکتا ہو اور دوسری چیز یہ کہ ان پر عمل کرنے کے نتیجہ میں پہلے سے موجود ظلم و فساد میں کچھ کمی ہو سکتی اور حالات نسبتًہ کچھ بہتر بن سکتے ہوں۔ نیز ضروری ہے کہ اس درمیانہ عرصہ میں اسلام کے اس حقیقی معاشی نظام کو جو عدل کامل پر مبنی ہے بطور ایک آئیڈیل اور نصب العین کے برابر سامنے رکھا جائے اور عبوری لائحہ عمل کے ذریعے رفتہ رفتہ اس کی طرف بڑھنے کی کوشش کی جائے کیونکہ دراصل اس عبوری لائحہ عمل کا جواز صرف ان ہی لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے سمجھ سوچ کر یہ طے کر لیا ہو کہ انھیں بالآخر اسلام کے حقیقی اقتصادی نظام کو ضرور اختیار کرنا ہے اور وہ سنجیدگی کے ساتھ اس کے لیے کوشش بھی کر رہے ہوں۔ اسی طرح مختلف لائحہ ہائے عمل میں سے وہی لائحہ عمل صحیح اور درست قرار پاتا ہے جو قابلِ عمل ہونے کے ساتھ ساتھ حقیقی اقتصادی نظام کے زیادہ قریب اور زیادہ مماثل ہو۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ کہ کامل عدل پر مبنی حقیقی معاشی نظام سامنے نہ ہو تو کسی عبوری لائحہ عمل کے متعلق بصیرت کے ساتھ یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ صحیح ہے یا صحیح نہیں۔ کیونکہ عبوری لائحہ عمل کی صحت و عدم صحت یا اچھائی و برائی حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہوتی ہے چنانچہ دو عبوری لائحہ ہائے عمل میں سے وہ لائحہ عمل صحیح قرار پاتا ہے جس میں قابل عمل ہونے کے ساتھ ساتھ ظلم و حق تلفی کی مقدار کم ہو، مثلاً اگر ایک میں ظلم و حق تلفی کی مقدار دس فیصد اور دوسرے میں پندرہ فیصد ہے تو دس فیصد مقدار والا لائحہ عمل صحیح قرار پاتا ہے اس لیے کہ وہ اس آئیڈیل کے زیادہ قریب ہوتا ہے جو ظلم سے کلی طور پر پاک اور عدل کامل پر مبنی ہے۔

بہرحال چونکہ آج یہ واقعہ ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہمارے مسلمان معاشروں میں کہیں بھی وہ خاص طرح کا ذہنی اور خارجی ماحول موجود نہیں جو عدل کامل پر مبنی اسلام کے حقیقی اقتصادی نظام کے

عمل میں تسلسل اور پائیداری کے ساتھ قائم رہنے کے لیے ضروری ہے لہٰذا آج ہمارے لیے صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ اسلام کے حقیقی اور مثالی اقتصادی نظام کو بطور آخری منزل مقصود سامنے رکھیں اور عبوری لائحہ عمل کے ذریعے مرحلہ بمرحلہ اس کی طرف بڑھتے چلے جائیں۔ بنابریں آج ہمارے لیے کرنے کا جو دوسرا ضروری کام ہے وہ اپنے موجودہ حالات کے مطابق ایک قابلِ عمل اقتصادی لائحہ عمل تیار کرنے کا کام ہے اس کام کو میں نے اس وجہ سے عملی کام کہا ہے کہ اس سے مقصود فوری طور پر اس پر عمل کرنا ہے۔ اس کام میں لازم ہے کہ ہم نہایت حقیقت پسندی کے ساتھ اپنے موجودہ ذہنی و خارجی حالات کا بے لاگ جائزہ لیں اور پھر ان کے مطابق ایسا عبوری لائحہ عمل تیار کریں جو مذکورہ بالا دو خوبیوں کا آئینہ دار ہو۔ یعنی جو موجودہ حالات میں قابلِ عمل بھی ہو اور جس پر عمل کرنے سے موجودہ ظلم و فساد میں کچھ کمی واقع ہو سکتی اور قدم اصل مقصود کی طرف بڑھ سکتا ہو۔

اور چونکہ آج صدیوں کے تاریخی پس منظر کے نتیجہ میں ہمارے جو ذہنی اور خارجی حالات ہیں بدقسمتی سے وہ بہت سی غیر مسلم اقوام کے حالات کے مقابلہ میں خاصے پست اور افسوسناک ہیں۔ مثلاً عام طور پر ہماری ذہنی اور شعوری حالت یہ ہے کہ ہم ذاتی خاندانی اور گروہی مفادات کے تنگ دائروں میں سوچتے اور ان چھوٹے چھوٹے مفادات کی خاطر قومی مفاد کو کھلے طور پر ٹھکراتے اور نظر انداز کرتے ہیں جبکہ دوسری اقوام کی یہ ذہنی حالت ہے کہ ان کے افراد اپنے قومی مفاد کا غالب شعور رکھتے اور اس کو دوسرے تمام مفادات پر عزیز رکھتے اور ترجیح دیتے ہیں اور اس کی خاطر اپنے چھوٹے چھوٹے مفاد ترک کر دینے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے اسی طرح مسلمان قوموں کی آج جو سیاسی اور معاشی حالت ہے ظاہر ہے کہ وہ غیر مسلم قوموں کی سیاسی اور معاشی حالت کے مقابلہ میں نہایت کمزور ہے مسلمانوں کی بظاہر جو آزاد اور خود مختار ریاستیں ہیں وہ بھی اپنی بین الاقوامی سیاسی پالیسیوں میں بڑی غیر مسلم طاقتوں کے تابع ہیں نیز اپنی دفاعی ضرورتوں کے لیے مجبور ہیں کہ ان کی مرضی کے مطابق ان سے معاہدے کریں۔ اسی طرح غیر مسلموں کا عالمی معاشیات پر مکمل قبضہ اور کنٹرول ہے وہ جو رد و بدل کرتے ہیں مسلمان ممالک اس سے ضرور متاثر ہوتے ہیں مسلمانوں کی کرنسیاں تک ان کی کرنسیوں کے تابع ہیں اور نہ صرف یہ کہ بے شمار مصنوعات کے لیے بلکہ غذائی ضروریات تک کے لیے مسلمان غیر مسلموں کے محتاج و دست نگر بنے ہوئے ہیں لہٰذا ان کا وہ عبوری اقتصادی لائحہ عمل جو ان کے موجودہ حالات کے مطابق بنایا گیا ہو اُن

لائحہ ہائے عمل سے بہتر نہیں ہوسکتا جو آج بہت سے غیر مسلم اقوام کے پاس موجود اور جن پر وہ عمل پیرا ہیں کیونکہ وہ جن حالات کے مطابق بنائے گئے ہیں ہمارے حالات سے بہتر ہیں۔ بنابریں ضروری اور لازم ہوگا کہ ہم اپنے عبوری لائحہ عمل کے متعلق نہایت واضح الفاظ میں یہ اعلان کریں کہ ہمارا یہ اقتصادی لائحہ عمل چونکہ اسلام کے حقیقی اقتصادی اصول پر مبنی اور مشتمل نہیں لہٰذا اس کی بنا پر کسی کو اسلام کے اصل اقتصادی نظام کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کرنی چاہیئے۔ اور یہ کہ یہ لائحہ عمل ایک وقتی اور عارضی لائحہ عمل ہے جو اپنے موجودہ حالات کی وجہ سے بامر مجبوری ہم نے اختیار کیا ہے چنانچہ جب حالات بدلیں گے تو ہم اس کو بدل دیں گے۔ نیز ضروری ہوگا کہ ہم اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کریں اور بتائیں کہ اسلام کا وہ حقیقی اقتصادی نظام کیا ہے جو اس وقت ہمارے سامنے بطور آئیڈیل اور نصب العین کے ہے اور جسے بالآخر ہم ضرور عمل میں لائیں گے۔

اس اعلان اور وضاحت کا فائدہ یہ ہوگا کہ لوگ اسلام کے حقیقی اقتصادی نظام کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں گے اور انہیں یہ کہنے کا موقع نہ مل سکے گا کہ اگر اسلام کا اقتصادی نظام یہ ہے جو اس لائحہ عمل سے ظاہر ہوتا ہے اور اسلام یہی چاہتا ہے جو اس میں لکھا گیا ہے تو پھر مسلمانوں کا یہ دعوے سراسر غلط ہے کہ اسلام کا اقتصادی نظام، تمام غیر اسلامی اقتصادی نظاموں سے بہتر ہے، آخر اس میں وہ کون سی خوبی ہے جو دوسرے اقتصادی نظاموں میں نہیں پائی جاتی۔ اس سے تو وہ اقتصادی لائحہ ہائے عمل یقیناً بہتر ہیں جن پر آج بہت سے اشتراکی اور سرمایہ دار ممالک میں عمل ہو رہا ہے۔ غرضیکہ اگر مذکورہ اعلان اور وضاحتی بیان نہ ہو تو اسلام دشمنوں کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع ہاتھ آئے گا۔ دوسرا فائدہ اس اعلان کا یہ ہوگا کہ عام مسلمان اس عبوری لائحہ عمل کو اسلام کا حقیقی لائحہ عمل سمجھ کر ہمیشہ اس سے چمٹے نہیں رہیں گے بلکہ جب اسے چھوڑنے کا وقت آئے گا بخوشی چھوڑ دیں گے۔

ختم کرنے سے پہلے یہ عرض کردوں کہ جہاں تک میری تلاش و جستجو کا تعلق ہے مجھے اب تک کوئی ایسی کتاب نہیں مل سکی اور میرے علم میں اب تک کوئی ایسی تحریر نہیں آئی جس میں اسلامی اقتصادیات پر اس علمی طریقہ سے کام کیا گیا ہو جس کی ضرورت کی طرف میں نے سطور بالا میں توجہ دلائی ہے۔ بلاشک یہ کام مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن و محال ہرگز نہیں۔ اگر کوئی ادارہ اس کام کیلئے اٹھ کھڑا ہو اور اللہ کا نام لے کر اس کام کو شروع کردے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے کامیابی نہ ہو لیکن بہر حال میں یہ ضرور عرض کروں گا

کر یہ کام صرف ایسے اہلِ علم کی اجتماعی کوشش سے ہو سکتا ہے جو جدید علم الاقتصاد اور اقتصادی نظاموں کی اچھی واقفیت کے ساتھ قرآن و حدیث کا وسیع اور گہرا علم رکھتے اور غور و فکر اور استنباط و استخراج کی اصلی صلاحیت کے ساتھ کھلا ذہن اور روشن دماغ رکھتے ہوں اور کسی کے بھی اندھے اور جامد مقلد نہ ہوں۔ مانا کہ ایسے اہلِ علم بہت کم اور نادر الوجود ہیں لیکن معدوم و ناپید نہیں۔ اخلاص کے ساتھ کوشش کی جائے تو ضرور مل جائیں گے اور انشاء اللہ ایک دن یہ کام ضرور ہو کر رہے گا۔ کیونکہ یہ اس ذکر کا ایک حصہ ہے جس کے متعلق قرآن حکیم میں ارشادِ الٰہی ہے :-

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝

****
****